عرف وعادت: امام بخاریؒ کا موٴقف و منہج (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر عبدالغفار* ڈاکٹر رشاد احمد**

Abstract

'*Urf* is an Islamic term which refers to the custom and knowledge of a society. If '*Urf* is compatible and not against the spirit of *Qur'ān* and *Sunnah*, it can be accepted by *Islāmic Sharīah*. This article aims to discuss the view of *Imām Bukhārī* regarding '*Urf*. After the study of *Ṣaḥīḥ Bukhārī*, it can be concluded that *Imām Bukhārī* is of the view that if '*Urf* does not oppose the *Qur'ān* and *Sunnah*, it is one of the sources of Islamic law.

Keywords: Customs; Traditions; Islamic Law; '*Urf*; '*Ādat; Ṣaḥīḥ Bukhārī*.

عرف وعادت اجتہاد اور استنباط کے لیے ایک بہترین وسیلہ ہیں جس سے قانون سازی، عدالتی فیصلوں اور بہت سے دیگر احکام کی تعبیر و تشریح اور تطبیق میں مدد لی جاتی ہے شریعت محمدیؐ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قانونی سازی کے وقت جہاں حیات انسانی کے دیگر پہلوؤں کو مد نظر رکھتی ہے وہاں رفعِ حرج، دفعِ مضرت اور جلبِ منفعت کا بھی خصوصی خیال رکھتی ہے چنانچہ شریعت لوگوں کے اعراف وعادات اور معاشرتی معمولات کو نظر انداز کرکے شریعت سازی کرنا مناسب نہیں سمجھتی کیونکہ اس سے لوگوں کے لیے شدید حرج اور تنگی پیدا ہوتی ہے اسی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عرف وعادت کی عمومی بحث کے ساتھ الجامع الصحیح کی روشنی میں امام بخاریؒ کے موقف کو واضح کیا جائے گا۔

لغوی تعریف

یہ لفظ عرف یعرف عرفاناً سے ماخوذ ہے۔ عرفان کے معنی "علم" کے ہیں۔ لفظ اعتراف اسی سے ہے۔[۱] امام راغبؒ نے عرف کے معنی "عرفان" اور "معرفت" کے لکھے ہیں۔ قرآنی آیات کی روشنی میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ تفسیر و تدبر کے ساتھ کسی چیز کے جاننے کو معرفت و عرفان کہتے ہیں۔[۲]

مولانا مجیب اللہ ندوی (م ۲۰۰۶ھ) کے نزدیک لغوی اعتبار سے عرف کا اطلاق متعدد معانی جیسے بلند اور نمایاں چیز، اچھا اور پسندیدہ قول و عمل، کسی کام کے مسلسل اور پے درپے ہونے پر ہوتا ہے۔ جب کے عادت کے لغوی معنی طریقہ، طرز اور کسی چیز کے بار بار ہونے یا کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ معاودت سے ماخوذ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔ "العادة طبيعة ما فيه"۔[۳]

عرف کا فقہی و اصطلاحی مفہوم

عرف کا اصطلاحی مفہوم متعین کرنے میں فقہاء کے درمیان تنوع پایا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ عرف کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں: "کوئی فعل یا طریقہ عقلی طور پر لوگوں کے نفوس میں اس طرح جم جائے کہ فطرت سلیمہ اس کو قبول کر لے اور اسلامی دنیا کے سلیم الطبع لوگ اس کے عادی ہو جائیں، بشرطیکہ وہ نص شرعی کے خلاف نہ ہو"۔[۴]

شیخ ابو زہرہ (م ۱۹۷۴ھ) کے نزدیک "عرف وہ ہے جس پر اپنی زندگی گزارنے کے لیے لوگوں کی ایک جماعت متفق ہو

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، رحیم یار خان

** پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، یونیورسٹی آف پشاور

جائے۔ جبکہ عادت افراد و جماعت کے بار بار کا عمل ہے۔ جب کوئی جماعت کسی امر کی عادی ہو جاتی ہے تو وہ ان کا عرف بن جاتا ہے۔ لہذا جماعت کی عادت اور اس کا عرف نتیجہ کے اعتبار سے دونوں ایک ہی ہیں، اگرچہ مفہوم میں دونوں مختلف ہیں لیکن جب ان کا تعلق جماعت سے ہو تو معنی میں دونوں مل جاتے ہیں"۔[۵]

عرف کی سب سے اہم، مناسب اور جامع تعریف عبد الوہاب خلاف نے کی ہے کہ "عرف وہ قول، فعل یا ترک و اجتناب ہے جو تمام لوگوں کے ہاں جانا جاتا ہو اور کتاب و سنت کی کسی نص کے خلاف نہ ہو"۔[۶]

اس تعریف کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی عرف قابل قبول ہو گا جس پر لوگوں کی غالب اکثریت تسلسل و تکرار کے ساتھ عمل پیرا ہو اور آخر میں "نصِ کتاب و سنت کے مخالف نہ ہونے" کی قید لگائی گئی جس سے ان تمام صورتوں کو عرف سے خارج کر دیا گیا ہے جو طبائع سلیمہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور شرعی نصوص سے متصادم ہوں۔

عادت

لغوی طور پر عادت کا اطلاق کسی چیز کے بار بار لوٹ آنے کو کہتے ہیں، عادت کا لفظ عود سے بنا ہے جس کا معنی لوٹنا ہے۔ عادہ یعود: لوٹنا۔[۷] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يعِيدُه﴾۔[۸] عادت کے دو معنی مشہور ہیں: ۱۔ لوٹنا اور ۲۔ کسی عمل کو بار بار دہرانا۔

عادت کا فقہی مفہوم

ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے: "العادة عبارة عما يستقر في النفوس من الامور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة"[۹] یعنی "عادت سے مراد وہ امور ہیں جو بار بار کے عمل و تعامل سے سلیم الفطرت لوگوں کے دل میں جگہ پکڑ لیتے ہیں"۔ مگر ابن امیر الحاج (م ۸۷۹ھ) نے جامع انداز میں تعریف کی ہے: "العادة هي الامر المتكرر من غير علاقة عقلية" یعنی "عادت وہ کام ہے جو بغیر کسی عقلی مداخلت کے بار بار دہرایا جائے"۔

وضعی قانون میں عادت کا مفہوم

ماہرین قانون دان عرف یا رسم و رواج کے لیے (Custom) اور عادت کے لیے Usage کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں عادت (Usage) کی اتنی زمانہ تک کوئی آئینی حیثیت نہیں جب تک کہ یہ عادت اجتماعی نہ بن جائے اور عرف کے درجہ تک پہنچ جائے۔ عادتِ اجتماعی بن جانے کے بعد پھر وہ (Usage) کی بجائے (Custom) کہلائے گی۔

عرف وعادت کا باہمی تعلق

فقہاء، اصولیین اور ماہرین عرف وعادت کے تعلق کو تین نبیادی نکات میں بیان کیا ہے:

۱۔ جن کے نزدیک دونوں مترادف ہیں وہ دونوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں: "العادة والعرف ما استقر في النفوس وتلقته الطباع السليمة بالقبول" یعنی "عرف وعادت وہ چیز ہے جو نفوس میں گھر کر جائے اور طباع سلیمہ انھیں پسندیدگی کے ساتھ قبول کرلے"۔[۱۰] ان اصولیین میں ابن عابدین، عبد الوہاب خلاف نمایاں طور پر شامل ہیں۔

۲۔ عرف اقوال کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ عادت افعال کے ساتھ۔ یہ موقف عبد العزیز بخاریؒ کا ہے: "ويجوز ان يكون

الاستعمال راجعا الى القول، والعادة راجعة الى الفعل"۔[۱۱] یعنی "عرف کا استعمال اقوال کی طرف لوٹتا ہے... اور عادت فعل کی طرف لوٹتی ہے"۔

۳۔ عرف وعادت کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے۔ یعنی عادت عرف سے مطلقاً عام ہے یعنی ہر عرف ایک عادت ہوتا ہے لیکن ہر عرف عادت نہیں۔ الشیخ مصطفی الزرقاء نے عرف وعادت کے درمیان اسی نسبت کا ذکر کیا ہے:

"فتكون النسبة بين العادة والعرف هي العموم والخصوص المطلق لان العادة اعم مطلقا أبداً والعرف اخص۔"

یعنی "عرف وعادت کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے کیونکہ عادت ہمیشہ عام ہے جبکہ عرف خاص ہے۔"

نوٹ: اصول الفقہ کی معروف کتب، ارشاد الفحول للشوکانی، الاحکام للآمدی، الفروق للقرافی، الموافقات وغیرہ کو سامنے رکھتے ہوئے "عرف" کو مزید تفصیل سے پڑھا جا سکتا ہے۔

عرف کی مختلف تقسیمات

۱۔ عرف کی تقسیم دو اعتبار سے کی گئی ہے: استعمال اور وضع کے اعتبار سے، نوعیت کے اعتبار سے۔

۲۔ استعمال وضع کے اعتبار سے اس کی دو مزید قسمیں ہیں، عرف قولی، عرف عملی

۳۔ نوعیت کے اعتبار سے بھی عرف کی دو قسمیں ہیں: عرف عام، عرف خاص

۴۔ مذکورہ تمام قسموں کا حکم کیا ہے؟ اس اعتبار سے بھی عرف کی دو قسمیں ہیں: عرف صحیح، عرف فاسد۔

عرف وعادت کی حجیت

قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں عرف اور معروف کے الفاظ کئی مقامات پر آئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں عرف وعادت کو تطبیق احکام میں اساسی درجہ حاصل ہے۔ چند آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ یہ ہیں: ﴿كُتِبَ عَلَيكمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَ كمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَك خَيرَ ۚ الْوَصِيةُ لِلْوَالِدَينِ وَالْاَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾۔"[۱۲] یعنی ﴿ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر دینا فرض کیا گیا ہے۔ متقین پر یہ ایک حق ہے﴾۔ ﴿وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[۱۳] یعنی ﴿اور عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے﴾۔ ﴿وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[۱۴] یعنی ﴿اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا﴾۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيكمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[۱۵] یعنی ﴿"اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ حرج نہیں بشرطیکہ تم دودھ پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق جو تم نے دینا طے کیا تھا، دے دو﴾۔ ﴿وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾[۱۶] یعنی ﴿اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق نان و نفقہ دینا چاہیے، پرہیزگاروں پر یہ بھی حق ہے﴾۔ ﴿وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيرَ مُسٰفِحٰتٍ﴾[۱۷] یعنی ﴿اور دستور کے مطابق ان لونڈیوں کا مہر بھی ادا کرو بشرطیکہ عفیفہ ہوں، نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں﴾۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ كانَ فَقِيرًا فَلْياْكلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[۱۸] یعنی ﴿جو نادار ہو وہ دستور کے مطابق یتیم کے مال میں

سے لے کر کھا سکتا ہے﴾۔ جن چیزوں سے عرف کا ثبوت ملتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قسم کے کفارے کے بارے میں فرمایا: ﴿مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيكُمْ﴾[19] یعنی ﴿درمیانے قسم کا وہ کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو﴾۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے کہ ہندہ بنت عتبہ نے اپنے خاوند ابوسفیانؓ کے بارے میں نبی کریم کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ اخراجات میں ہاتھ ذرا کھینچ کر رکھتے ہیں، تو کیا یہ ممکن ہے کہ میں ان کی لاعلمی میں کچھ لے لیا کرو؟ اس پر رسول اکرم نے ارشاد فرمایا: "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف"۔[20] یعنی "جتنا تیرے اور تیرے بچوں کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو، اتنا لے لے"۔ رسول اکرم کا غلام کے بارے میں ارشاد مبارک ہے: "للمملوك طعامه وكسوته بالمعروف ولايكلف من العمل الاما يطيق"۔[21] یعنی "غلام کا کھانا اور اس کا کپڑا عام دستور کے مطابق دیا جائے اور ایسے کام پر مامور نہ کیا جائے جس کی اس میں قدرت نہ ہو۔"

علامہ زرقانیؒ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں فرماتے ہیں: "معروف کا مطلب یہ ہے کہ بغیر کمی یا زیادتی اس طرح کا کھانا کپڑا دیا جائے جس طرح کہ اس جیسے دوسرے غلاموں کو دستور کے مطابق ملتا ہے"۔[22]

عرف کے معتبر ہونے کی شرائط

عرف کے معتبر ہونے اور اس پر حکم کی بنیاد رکھنے کے لیے علمائے اصول کے ہاں چند شرائط ہیں۔ ان شرائط کو علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے اپنی کتاب "قواعد الاحکام" میں بیان کیا ہے۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ عرف، نص شرعی کے مخالف نہ ہو

اس قسم کے عرف کی چند مثالیں یہ ہیں کہ لوگوں کے درمیان اس کا عام رواج ہے کہ جس شخص کے پاس امانت رکھی جاتی ہے اسے اس کی اجازت ہوتی ہے کہ امانت رکھنے والے شخص کے علاوہ بعض دوسرے افراد کو بھی دستور کے مطابق وہ امانت واپس کر سکتا ہے، جیسے امانت رکھنے والے شخص کی بیوی، اس کی اولاد، اور اس کا ملازم۔ اس قسم کے عرف میں وہ تمام شرائط بھی شامل ہیں جو ان عقود (معاہدوں) کے لیے ضروری ہیں، جن سے عرف صحیح کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر عرف نص کے خلاف ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے سودی کاروبار کا رواج، شادی کی دعوتوں میں شراب نوشی کا اہتمام۔ نیم عریانی اور ستر کھولنا وغیرہ۔ اس قسم کے رسم ورواج کے معتبر نہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔[23]

۲۔ عرف مطرد اور غالب ہو

مطرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی رواج و دستور لوگوں کے درمیان مشہور اور عام ہو اور اس کے متعلق طبقہ کے لوگ اس سے ناواقف ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی واقف ہو، کوئی نہ ہو۔ مطرد کو لفظ عام سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ عرف اکثر جگہ پایا جاتا ہو اور اکثر ایسا ہی رواج ہو، بہت کم اسکے خلاف کوئی دوسرا طبقہ یا دستور ملتا ہو۔ اکثریت (غلبہ) اور عموم (اطراد) کا اعتبار اس وقت ہے جب کوئی عرف اہل عرف یعنی اس رواج سے متعلق طبقہ کے درمیان مشہور وعام ہو، نہ یہ کہ فقہی کتابوں میں اسکا مشہور ہونا لکھا ہوا ہو۔ کیونکہ کتابوں میں لکھا ہوا عرف بدل بھی سکتا ہے۔ اور اس کا ہر وقت احتمال ہے۔

۳۔ معاملہ یا تصرف کے وقت عرف کا وجود ضروری ہے

اس شرط سے یہ مراد کہ وہ عرف جس پر کسی معاملہ یا تصرف کو محمول کیا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس معاملہ کے وقت موجود ہو یعنی عرف اس معاملہ سے پہلے وجود میں آیا ہو، پھر اس معاملہ کے زمانہ تک جاری رہے اور اس کے وجود کے وقت موجود ہو۔ اس اصول کے مطابق اوقاف، وصیتوں، خرید و فروخت کے معاملات اور شادی کی دستاویزات کے دلائل کی تشریح اور ان میں مندرجہ شرائط و اصطلاحات کا مفہوم اس عرف کے مطابق وہ سمجھا جائے گا جو ان معاملہ والے اشخاص کے زمانہ میں تھا، نہ کہ اس عرف کے مطابق جو ان کے بعد وجود میں آیا۔ جیسے اگر ایک شخص اپنی زمین کی آمدنی علماء اور طلبہ پر وقف کرے اور وقف کرنے کے وقت عرف عام میں علماء سے مراد وہ لوگ ہوں جو امور دین سے واقفیت رکھتے ہوں اور طلبہ سے مراد علم دین کے طالب علم ہوں تو وقف کی آمدنی ان ہی علماء پر صرف کی جائے اور علماء کے لیے حصول سند (ڈگری) کی کوئی شرط نہ ہوگی، چاہے اسکے بعد کے عرف کے مطابق علماء کے لیے حصول سند ضروری سمجھا جاتا ہو چنانچہ یہ آمدنی صرف علم کے طلبہ پر خرچ کی جائے گی، چاہے بعد کے عرف کے مطابق طلبہ کا اطلاق دینی و دنیوی علوم دونوں کے طلبہ پر ہوتا ہو۔

۴۔ معاملہ یا تصرف کے وقت کوئی قول یا فعل عرف کے خلاف موجود نہ ہو

یعنی ایسا کوئی قول یا فعل موجود نہ ہو جو عرف کے خلاف ہو، مثلاً کسی معاہدہ میں دونوں فریق اس بات پر صراحتاً متفق ہو گئے کہ قیمت فوراً ادا کی جائے گی، لیکن بازار میں عرف یہ ہے کہ قیمت قسطوں میں ادا کی جاتی ہے، تو اس صورت میں قیمت فوراً ہی ادا کی جائے گی۔ کیونکہ معاہدہ میں یہ صریح شرط موجود ہے۔ یا اگر عرف یہ ہو کہ کسی مال کے برآمد کرنے کے مصارف خریدار پر ہوتے ہیں لیکن اگر فریقین کسی معاملہ میں اسی بات پر متفق ہو جائیں کہ یہ مصارف بیچنے والے پر ہوں گے تو عرف پر عمل نہیں ہوگا۔ یا اگر عرف یہ ہو کہ زمین کی رجسٹری کرانے کے مصارف خریدار پر ہوتے ہیں، لیکن اگر فریقین اس پر متفق ہو جائیں کہ یہ مصارف بائع کے ذمہ ہوں گے تو عرف پر عمل نہیں ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز بغیر ذکر کیے عرف سے ثابت ہو، اگر اس کے خلاف کوئی شرط لگادی جائے تو عرف پر عمل نہیں ہوگا۔[۲۴]

اس کی مثال بھی صحیح بخاری سے پیش کی جاتی ہے امام بخاری نے اس پر اس طرح عنوان قائم کیا ہے:

باب من اجرى امر الامصارعلى ما يتعارفون بينهم في البيوع والاجارة والمكيال والوزن وسننهم على نياتهم ومذاهبهم المشهورة... فبعث اليه بنصف درهمٍ۔

خرید و فروخت، اجارہ، ناپ تول اور ان کے طور طریقوں میں ہر شہر کے لوگوں کے عرف، ان کی نیتوں اور ان کے مشہور طریقوں پر حکم دیا جائے گا۔ شریح نے جولاہوں سے کہا کہ تم اپنے طریقوں کے مطابق اپنے کاروباری معاملات حل کیا کرو۔ عبد الوہاب نے ایوب بن محمد سے روایت کیا ہے کہ: دس والی چیز گیارہ پر بیچنے میں کوئی برائی نہیں۔ اسی طرح اخراجات پر نفع لینے میں بھی۔[۲۵]

عرف کے بارے میں امام بخاریؒ کا موقف

عرف شریعت کے نمایاں تطبیقی اصولوں میں شامل ہے۔ اس سلسلہ میں امام بخاریؒ کی آراء کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ

آپ عرف صحیح کا مکمل اعتبار کرتے ہیں اور عرف سے مسائل دینیہ اخذ فرماتے ہیں اور اس کو ایک اہم شرعی تطبیقی اصول تسلیم کرتے ہیں۔

بیع اور اجارہ میں "عرف" کی امثال

امام بخاری بیع اور اجارہ میں عرف کی حجیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس بات کے ثبوت کے لیے امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں کتاب البیوع میں عرف کے حوالے سے ایک مستقل باب ان الفاظ سے قائم کرکے عرف کو ثابت کیا ہے:

اس تبویب کے تحت امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ قاضی شریح نے سوت بیچنے والوں سے کہا: "وقال شريح للغزّالين سنتكم بينكم"۔ یعنی "تمہارے رسم ورواج کے مطابق حکم دیا جائے گا"۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ابن منیر کے حوالے سے فرماتے ہیں: "مقصوده بهذه الترجمة إثبات الاعتماد على العرف" یعنی "اس باب کے قائم کرنے سے امام بخاریؒ کا مقصود یہ بتانا تھا کہ عرف پر اعتماد کرنا حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔[٢٦] اسی طرح علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "قصد بهذه الترجمة إثبات الاعتماد على العرف والعادة"۔[٢٧]

امام بخاریؒ نے اس باب کے تحت نقل کیا ہے کہ امام حسن بصریؒ نے عبداللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا تو ان سے اس کا کرایہ پوچھا تو انہوں نے کہا دو دانق (ایک دانق درہم کا چھوٹا حصہ ہوتا ہے) ہوئے پھر دوسری مرتبہ ایک ضرورت پر آپ آئے اور کہا کہ مجھے گدھا چاہیے۔ اس مرتبہ آپ اس پر کرایہ مقرر کیے بغیر سوار ہوئے اور ان کے پاس آدھا درہم بھیج دیا۔

صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے متعدد دلائل سے عرف کی حجیت پر استدلال کیا ہے، جن میں سے کچھ یہ ہیں: درج بالا باب کے تحت امام بخاریؒ نے یہ تین احادیث رقم کی ہیں:

١- حديث انس بن مالكؓ قال: حجم رسول الله ابو طيبه، فامر له رسول الله بصاع من تمر، وامر اهله ان يخففوا عنه من خراجه."[٢٨]

ابو طیبہؓ نے پیشگی طے کیے بغیر نبی کریم کو سینگی لگائی تو آپؐ نے اس کے لیے کھجور کے ایک صاع کا حکم دیا۔ گویا اس وقت سینگی لگوانے کی اجرت ایک صاع معروف تھی، جسے پہلے طے نہیں کیا گیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ اس کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "جس طرح اس ترجمۂ باب سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے حجام کو مزدوری دی اور آپ نے یہ کام عرف کو مد نظر رکھ کر کیا اور امام حسن بصری بھی ایسا کرتے تھے۔ پس مزدوری دینا ان کے ہاں عرف عام تھا پس جب دوسری مرتبہ سوار ہوئے تو کوئی شرط نہیں لگائی اور عرف پر ہی اکتفا کیا"۔[٢٩]

٢۔ عن عائشة: قالت هند ام معاوية لرسول الله ان ابا سفيان رجل شحيح، فهل على جناح ان اخذ من ماله سرأ؟ قال: خذي أنت وبنوك ما يكفيك بالمعروف".[٣٠]

"جب ہندہ بنت عتبہ نے آپؐ سے پوچھا کہ وہ اپنے خاوند ابو سفیانؓ بن حرب کے مال سے کچھ لے سکتی ہے یا نہیں؟ جو اس پر مکمل خرچ نہیں کرتا، تو اسے آپؐ نے فرمایا: کہ تو اور تیرے بیٹے رواج کے مطابق جو تمہیں کافی ہو لے لو"۔

اس بات کو امام بخاریؒ نے باقاعدہ باب قائم کرکے جائز قرار دیا ہے۔ باب کا عنوان یوں ہے: "كتاب النفقات، باب إذا لم

ينفق الرجل فللمرأة ..."

امام بخاریؒ اس باب کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس کے آخری الفاظ ہیں: "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف" یعنی "تو اور تیرے بیٹے رواج کے مطابق جو تمہیں کافی ہو لے لو"۔ یہ الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ امام بخاریؒ عرف کے قائل ہیں۔

۳۔ عن عائشة تقول: ﴿ومن كان غنياً فليستعفف، ومن كان فقيراً فليأكل بالمعروف﴾ أنزلت في والي اليتيم الذي يقيم عليه ويصلح في ماله، إن كان فقيراً أكل منه بالمعروف.

حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آیت ﴿ومن كان غنياً فليستعفف، ومن كان فقيراً فليأكل بالمعروف﴾ اس یتیم کے ولی کے بارے میں نازل ہوئی جس اس کا خیال رکھتا ہے اور اس کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اگر ایسا ولی نادار ہو تو وہ اس یتیم کے مال سے عرف کے مطابق کھا سکتا ہے۔

علامہ ابنِ حجر آیت وحدیث وصی الیتیم کے بارے میں لکھتے ہیں: ترجمۂ باب سے اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یتیم کا سرپرست ضرورت پڑنے پر کھانے وغیرہ کے لئے یتیم کے مال کو عرف کے مطابق استعمال میں لا سکتا ہے۔[۳۱]

نوٹ: امام بخاریؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرف صرف معاملات، بیع اور اجارہ کے بارے میں ہے، عبادات اس میں شامل نہیں ہیں۔

معاملات کے بارے میں عرف کی امثال

صحیح بخاری میں جہاں معاملات کے بارے میں عرف کا استعمال ہوا ہے، اس کی چند امثلہ درج ذیل ہیں:

مثال ۱۔ کتاب الوکالۃ میں امام بخاریؒ ایک عنوان اس طرح قائم کرتے ہیں: "باب اذا وَكلَ رجلٌ رجلاً ان يعطي شيئا و لم يبين كم يعطي فاعطى على ما يتعارفه الناس" یعنی "ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کچھ دینے کے لیے وکیل کیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کتنا دے تو وکیل لوگوں کے معروف عرف ورواج کے مطابق دے"۔

اس عنوان کے تحت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ دوران سفر حضرت محمد نے جابر بن عبد اللہؓ سے چار دینار میں اونٹ خریدا اور مدینہ تک سفر کرنے کی اجازت دی۔ مدینہ پہنچنے پر آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کی قیمت ادا کر دو اور کچھ بڑھا کر دو۔

فلما قدمنا المدينه قال: يا بلال اقضه وزِده، فاعطاه اربعه دنانير وزاده قيراطا. قال جابر لا تفارقني زيادة رسول الله فلم يكن القيراط يفارقُ جرابَ جابر بن عبد الله.[۳۲]

(راستہ میں آپ نے مجھ سے وہ اونٹ خرید لیا) پھر جب ہم مدینہ آئے تو آپ نے بلال سے کہا: اے بلال! اسے اونٹ کی رقم ادا کر دو اور اصل رقم سے زیادہ دو۔ تو حضرت بلال نے مجھے چار دینار دیئے اور ایک قیراط زیادہ دیا۔ حضرت جابر نے کہا کہ رسول اللہ کی یہ اضافی رقم (یعنی اضافی قیراط) مجھ سے کبھی الگ نہیں ہوتا اور یہ قیراط ہر وقت حضرت جابر کے تھیلے میں ہی رہتا۔

رسول اللہ نے حضرت بلالؓ کو صاف یہ نہیں فرمایا کہ اتنا زیادہ دو مگر حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اپنی مرضی سے کچھ زیادہ دے دو تو حضرت بلالؓ نے اپنی رائے سے زمانہ کے عرف ورواج کے مطابق ایک قیراط سونا دیا۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: "فانه لم يذكر قدر ما يعطيه عند امره باعطاء الزياده فاعتمد بلال على العرف في ذلك

فزاده قيراطا"۔[۳۳] اسی طرح کتاب الہبۃ وفضلہا میں امام بخاریؒ نے ایک عنوان اس طرح قائم کیا ہے:

مثال ۲: "باب اذا قال اخدمتك هذه الجارية على ما يتعارف الناس فهو جائز"۔

"عام دستور کے مطابق کسی نے کسی شخص سے کہا کہ یہ لڑکی میں نے تمہاری خدمت کے لیے دے دی تو جائز ہے"۔

حافظ ابن حجرؒ اس باب کے تحت لکھتے ہیں: "إن وجدت قرينة تدل على العرف حمل عليها وإلا فهو على الوضع" یعنی "امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اگر الفاظ کو عرفی معنی پر محمول کرنے کا قرینہ ہو تو وہ عرفی معنی پر ہی محمول کئے جائیں گے اور اگر قرینہ نہ ہو تو وضعی معنی پر"۔[۳۴]

مثال ۳:

اسی طرح امام بخاریؒ کتاب الشروط میں ایک باب اس طرح منعقد کرتے ہیں: "باب ما يجوز من الاشتراط والثنيا في الاقرار، والشروط التي يتعارفها الناس بينهم واذا قال: مائة الا واحدة أو ثنتين" یعنی "کس قسم کی شرائط لگانے کی اجازت ہے اور فیصلوں میں کس چیز کو مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔ اور جب شروط میں یوں کہے: ایک یا دو کم سو"۔[۳۵]

اس میں امام بخاریؒ معاملات میں لوگوں کے عرف کو قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں مگر اس سے پہلے باب میں یہ شرط لگا رہے ہیں کہ صرف ایسا عرف قابل قبول ہے جو کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو۔ باب اس طرح قائم کرتے ہیں۔ باب المكاتب، وما لا يحل من الشروط التي تخالف كتاب الله۔[۳۶]

خلاصۂ بحث

امام بخاریؒ کی اصولی فقہی آراء و اجتہادات کا بغور جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امام بخاریؒ عرف کو ایک اصل گردانتے ہیں اسی بنا پر انہوں نے کچھ احکام کو بھی اخذ کیا ہے۔ عرف مسائل و معاملات میں مستعمل ہے۔ جیسے لین دین، کرایہ داری، وکالت، عطیہ اور اسی طرح کے دیگر معاملات اور امام بخاریؒ کی صنیع سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ عدم نصوص مخالفت لوگوں میں متعارف عرف کو ہی جائز قرار دیتے ہیں۔ اس طرح امام بخاریؒ نے ان لوگوں کی تعریف کی ترجیح کی طرف اشارہ کر دیا جو عدم دلیل کی صورت میں ہی عرف کو اصول استنباط قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ کا رجحان یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات میں جو معانی قابل فہم ہیں وہی متعین اور ظاہر پر مقدم ہوں گے۔

حواشی و حوالہ جات

---

[۱] ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی. لسان العرب. ط:۱۹۸۸ء، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ص ۲۰۳، مادہ: ع ر ف

[۲] اصفہانی، امام راغب. حسین بن محمد، مفردات القرآن. ط: ۱۹۶۳ء، مکتبہ قاسمیہ، لاہور، ص ۲۷۰

[۳] ندوی، مجیب اللہ. فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل. ط ۲: ۱۹۹۷ء، مکتبہ نور صبح کراچی، ص ۱۰۴

[۴] بخاری، عبد العزیز. کشف الاسرار. اصول فخر الاسلام البزدوی. ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ص ۴/۲۴

[۵] ابوزہرہ. محمد المصری، الامام مالک وحیاتہ. ط: ۱۹۹۹ء، دار احیاء التراث، بیروت، ص ۴۳۷

[6] خلاف، عبد الوہاب. علم اصول الفقہ. ط۹: ۱۹۷۰ء، دار القلم، کویت، ص۹۰

[7] لسان العرب، مادہ: ع و د، ۹/۴۳۵

[8] القرآن الکریم، سورۃ الروم ۳۰: ۲۷

[9] الاشباہ والنظائر. ص۶۳

[10] احمد نجار. العرف والعادۃ فی رأی الفقہاء. ط: س ن، دار الکتب العربی، بیروت، ص۸

[11] کشف الاسرار، ۲/۴۱۵

[12] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ ۲: ۱۸۰

[13] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ ۲: ۲۲۸

[14] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ ۲: ۲۳۳

[15] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ ۲: ۲۳۳

[16] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ ۲: ۲۴۱

[17] القرآن الکریم، سورۃ النساء ۴: ۲۵

[18] القرآن الکریم، سورۃ النساء ۴: ۶

[19] القرآن الکریم، سورۃ المائدہ ۵: ۸۹

[20] البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح. کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل فللمرأۃ، ط: ۲۰۰۰ء، مکتبہ دار السلام الریاض، رقم الحدیث ۵۳۶۴

[21] ابو عبد اللہ مالک بن انس، مؤطا الامام مالک. کتاب الاستئذان، باب الامر بالرفق بالملوک، ط: ۲۰۰۹ء، مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور، ص۲۳۰

[22] مؤطا الامام مالک، ۴/۳۹۵

[23] السرخسی. امام شمس الداین، ابو بکر محمد بن احمد، المبسوط. ط: ۱۹۹۷ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۳/۱۹۶

[24] عز الدین بن عبد السلام. قواعد الاحکام. ط: س ن، دار احیاء التراث، بیروت، ۲/۱۷۸

[25] صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب من أجری أمر الأمصار

[26] عسقلانی، احمد ابن حجر. فتح الباری. کتاب البیوع، باب من اجری امر االامصار، ط: س ن، دار المعرفہ لطباعہ والنشر بیروت لبنان، ۳/۳۱۰

[27] عینی بدر الدین. ابو محمد محمود بن احمد موسی، عمدۃ القاری. ط: س ن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۲/۱۷

[28] صحیح البخاری، کتاب البیوع، حدیث ۲۲۱۰

[29] فتح الباری، ۴/۴۹۸

٣٠ صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل فللمرأة، رقم الحدیث ۵٣٦۴

٣١ فتح الباری، ۴/۴٩٨

٣٢ صحیح البخاری، کتاب الوکالة، باب اذا وکل رجل رجلا

٣٣ فتح الباری، ۴/۴٨۵

٣۴ ایضاً

٣۵ صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من الاشتراط والثنیا فی الاقرار

٣٦ صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب المکاتب ومالایحل من الشروط التی تخالف کتاب اللہ